چیف آف آرمی اسٹاف کی تعیناتی پر سیاست اور متوقع آرمی چیف کون؟

آصف ملک

ایک ملک جس کا ماضی فوجی بغاوتوں اور محلاتی سازشوں سے بھرا پڑا ہو، اس میں بری فوج کے سربراہ کی تعیناتی پر تنازع کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انیس سو سنتالیس سے انیس سو بہتر تک چھ کمانڈران چیف اور انیس سو بہتر سے دو ہزار بائیس تک دس چیف آف آرمی اسٹاف رہے، کوئی ایک ایسا آرمی چیف نہیں رہا جس کی تعیناتی یا مدت ملازمت میں کوئی قضیا نہ بنا ہو۔ آئین کے آرٹیکل 243 کے مطابق صدر وزیر اعظم کے مشورے پر افواج کے سربراہان کی تعیناتی کرتے ہیں۔ جب بھی آرمی چیف کو نئی ٹرم دی گئی ہے اسے 'ایکسٹینڈ ڈٹینیور' (عہدے پر برقرار رکھنا) کہہ سکتے ہیں۔ آئین میں صدر کا صرف نام استعمال ہوتا ہے کیونکہ آرمی چیف کی تعیناتی اور توسیع دینے یا نہ دینے کا اختیار قلعی طور وزیر اعظم کا استحقاق ہوتا ہے اور صدر محض ایک سائنگ اتھارٹی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔

فوجی سربراہ کا پیچھا کرتے تنازعات اور سینیارٹی

اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو آزادی کے بعد ایک سو اناسی دن بطور پہلے کمانڈر ان چیف جنرل فرینک میسروی کے ڈپٹی کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی نے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا، اور اس انکار نے سول ملٹری تعلقات کی کشیدگی کی وہ پہلی اینٹ رکھی جس نے چار بار براہ راست مارشل لا کو بنیاد فراہم کی کیونکہ جنرل گریسی اپنے کمانڈر جنرل میسروی کی مرضی یا رضامندی کے بغیر انکار کر ہی نہیں سکتے تھے اور یہی بعد میں اختلافات اور جنرل میسروی کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی وجہ بنے۔ اس سے قطع نظر کہ حملہ ہندوستان نے پہلے کیا یا پھر پاکستان ہے، لیکن ایک بات پر تمام متفق ہیں کہ اگر جنرل گریسی انکار نہ کرتے تو آج پاکستان کے عسکری اور سول تعلقات میں آرمی چیف کی تعیناتی پر ایک دوسرے پر شک نہ کیا جاتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنرل میسروی نے خواتین کے لئے جنگی تربیتی پروگرام شروع کرنے پر نہ صرف انکار کیا بلکہ پہلی خاتون اول بیگم رانا لیاقت علی خان کی تمام کوششوں کے رستے میں بھی حائل ہوئے۔ جنرل گریسی نے نہ صرف قائداعظم کا حکم نظرانداز کیا بلکہ پاکستانی اور ہندوستانی افواج کے مشترکہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل کلاوڈ آوکن لیک کو شکایت بھی کی۔ یہ جنرل گریسی کا ہی دور تھا جب ہندوستان نے جموں و کشمیر پر قبضہ کیا جو آج تک برقرار ہے۔ جنرل میسروی کا کردار جموں و کشمیر حملے کے حوالے سے جو بھی رہا ہو مگر ریٹائرمنٹ کے فوری بعد، جنرل میسروی نے Asiatic Review میں لکھے گئے اپنے آرٹیکل میں کہا تھا کہ "ہندوستانی افواج جموں و کشمیر میں ملٹری ایکشن کی پلاننگ بہت پہلے کر چکے تھے"۔ یہاں یہ معمہ بھی آج تک حل طلب ہے کہ اگر جنرل گریسی نے قائداعظم کے احکامات نہیں مانے تھے، تو پھر وزیراعظم لیاقت علی خان نے برطانوی بادشاہ سے جنرل گریسی کو نائیٹ ہڈ دینے کی سفارش کیوں کی تھی، ساتھ ہی یہ بھی سوال بھی جواب طلب ہے کہ میجر جنرل ایوب خان کو جنرل گریسی کی ریٹائرمنٹ سے چار ماہ قبل ہی کمانڈر ان چیف نامزد کیوں کر دیا گیا تھا۔

Gen Akbar (PA-1) with Quaid-i-Azam

جنرل میسروی اور جنرل گریسی کے ریٹائر ہونے کے بعد، پہلے پاکستانی کمانڈر ان چیف جنرل ایوب خان کو بری فوج کا سربراہ تعینات کیا گیا، کیونکہ جنرل ایوب پہلے مسلمان اور پاکستانی افسر تھے جن کی تعیناتی کا فیصلہ اس وقت کے گورنر جنرل نے کرنا تھا تو پہلی بار کمانڈر ان چیف کے لئے تین ناموں میں سے ایک کو چیف بنایا جانا تھا۔ اس وقت میجر جنرل محمد اکبر خان پہلے، میجر جنرل نوابزادہ آغا محمد رضا دوسرے اور میجر جنرل محمد ایوب خان تیسرے نمبر پر تھے، انہیں جنرل کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے کمانڈر ان چیف تعینات کر دیا گیا۔ پاکستان آرمی کا سروس نمبر ون حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کے سینیئر ملٹری سیکریٹری تعینات رہنے والے میجر جنرل محمد اکبر خان، جنرل گریسی اور جنرل میسروی کے ساتھ بھی کام کرنے کا تجربہ رکھتے تھے مگر ان کے بجائے میجر جنرل محمد ایوب خان کو کمانڈر ان چیف بنا دیا گیا۔ جنرل محمد ایوب خان کی تعیناتی کے بعد، دیگر تنازعات کے ساتھ ساتھ میجر جنرل محمد افتخار خان، بریگیڈیئر شیر خان اور قاضی موسی [جسٹس فائز عیسی کے چچا اور قاضی عیسی کے بھائی] کی ہوائی حادثے میں ہلاکت کو بھی جنرل محمد ایوب خان کے ساتھ نتھی کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی میجر جنرل افتخار حالانکہ میجر جنرل ایوب خان سے جونیئر تھے مگر انہیں لاہور میں کمانڈ دی گئی، مضبوط خاندانی پس منظر اور شاندار کیریئر کی وجہ سے انہیں کمانڈ ان چیف بنائے جانے کے چانسز بہت زیادہ تھے۔ یہاں یہ معلومات دینا بہت ضروری ہے کہ میجر جنرل افتخار خان کے والد خان بہادر رسالدار میجر راجا فضل داد خان کے پانچ بیٹے فوج میں اہم عہدوں پر تعینات رہے۔ میجر جنرل اکبر خان [جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے]، بریگیڈیئر محمد افضل، اور انجنیئر ان چیف میجر جنرل افضل خان انہی کے بھائی تھے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر میجر جنرل محمد افتخار اور بریگیڈیئر شیر خان اگر حادثے میں ہلاک نہ ہوتے تو پاکستان کی فوجی تاریخ کے ساتھ ساتھ سیاسی تاریخ بھی تبدیل ہوتی کیونکہ ان کی ہلاکت کے بعد ہی جنرل محمد ایوب خان کو کمانڈر ان چیف لگایا گیا جنہوں نے بعد ازاں ملک میں پہلا مارشل لا لگا کر اس تاریخ کی بنیاد ڈالی جس نے بعد میں ملک دولخت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں یہ بھی اہم ہے کہ پاک فوج میں سب سے پہلے اگر کسی کو توسیع دی گئی تھی تو وہ بھی جنرل ایوب کو اس وقت دی گئی جب ریٹائرمنٹ سے سات ماہ قبل، جنرل ایوب کو وزیراعظم فیروز خان نون نے دو سال کی توسیع دی۔ جنرل ایوب خان نے اسکندر مرزا کو ہٹانے کے بعد جنرل محمد موسی خان کو اپنی جگہ کمانڈر ان چیف لگا دیا اور خود صدر پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا۔ جنرل محمد موسی خان سینیارٹی لسٹ میں چوتھے نمبر تھے، میجر جنرل شیر علی خان، میجر جنرل آدم خان اور میجر جنرل لطیف خان تینوں جنرل موسی سے سینئر تھے۔

Brain Cloughley اپنی کتاب A history of the Pakistan Army: Wars and Insurrections میں لکھتے ہیں کہ جنرل محمد موسی کی بطور کمانڈران چیف تعیناتی کی وجہ "میرٹ کے بجائے وفاداری" تھا یعنی ان کی تعیناتی کی وجہ جنرل ایوب خان کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ ہونا تھا، یہاں سے وہ ریت شروع ہوئی جس پر ہر آنے والے حکومتی سربراہ نے کوشش کی کہ فوجی سربراہ ایسا ہونا چاہیے جو کسی اور کا وفادار ہو یا نہ ہو وزیر اعظم یا صدر کی وفاداری کا دم بھرتا ہو۔ جنرل موسی کی ریٹائرمنٹ کی تاریخ ستائیس اکتوبر انیس سو چھیاسٹھ تھی، فوج کے اندر چہ مگیوں اور دیگر عوامل کی وجہ سے جنرل موسی نے اکتیس مارچ انیس سو چھیاسٹھ کو پہلے لیفٹیننٹ جنرل یحیی خان کو دو لیفٹیننٹ جنرلز الطاف قادر اور بختیار رانا پر ترجیح دے کر ڈپٹی کمانڈران چیف تعینات بناتے ہوئے اپنا جاں نشین بھی مقرر کر دیا۔ جنرل افتخار خان کی طرح، جنرل بختیار رانا جنہیں سپر سیڈ کر کے جنرل یحیی خان کو کمانڈران چیف بنایا گیا ان کے والد خان بہادر رانا تالیہ محمد خان کو ملکہ برطانیہ نے ملٹری کراس کے ایوارڈ سے نوازا اور وہ انسپیکٹر جنرل پولیس بھی رہے۔ یہاں تاریخ کی ستم ظریفی کہیں یا حالات کا جبر کہ جنرل موسی جیسے ہی گورنر جنرل مغربی پاکستان مقرر ہوئے تو انہوں نے اٹھارہ ستمبر انیس سو چھیاسٹھ کو ہی لیفٹیننٹ جنرل محمد یحیی خان کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر کمانڈران چیف بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل یحیی خان نے کمانڈران چیف کا عہدہ سنبھالتے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ صدر پاکستان ایوب خان کو اقتدار سے بے دخل

کر دیا جائے اور پھر ایسا ہی ہوا، اسے وقت کا جبر کہیں یا پھر حالات کی ستم ظریفی کہ وہ شخص جس نے محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف صدر ایوب خان کو الیکشن جتوایا تھا اسی شخص نے صدر ایوب خان کو اقتدار سے نہ صرف بے دخل کیا بلکہ انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ کریں اور پھر جنرل یحییٰ خان کے مارشل لا کے دوران ہی قائداعظم محمد علی جناح کا پاکستان دو حصوں میں بٹ گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جونئیر افسران کو سینئرز پر ترجیح دینے سے اس وقت تنازع کیوں کھڑا نہیں ہوا تو اس کی سیدھی سی وجہ یہ ہے کہ اس وقت فوجی سربراہان بہت زیادہ طاقتور تھے اور طاقت کا محور وہ خود تھے اور سیاسی قائدین، میڈیا اس قابل نہیں تھا کہ کسی قسم کا سوال اٹھا سکتا۔ انیس سو اکہتر میں جس وقت فوجی آپریشن جاری تھا، اس وقت دو فور اسٹار جنرلز کے ساتھ ساتھ سترہ لیفٹیننٹ جنرلز فوج میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ملک دولخت ہونے اور جنرل یحییٰ خان اور دیگر سینیئر جنرلز کو جبری ریٹائر کر دیا گیا اور بیس دسمبر انیس سو اکہتر کو صدر ذوالفقار علی بھٹو نے لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کو فور اسٹار جنرل بنائے بغیر انہیں کمانڈر ان چیف تعینات کیا پھر کچھ عرصے بعد دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے حالانکہ ذوالفقار علی بھٹو کو صدر بنوانے میں لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کا کردار بتایا جاتا ہے۔ جنرل گل حسن کی سوانح عمری Memoirs of Lt Gen. Gul Hasan Khan کے صفحہ نمبر تین سو اکیاون پر درج ہے کہ لیفٹیننٹ جنرل گل کمانڈر ان چیف بنائے جانے کا حامی نہیں تھا، بھٹو صاحب نے انہیں قائل کیا اور انہوں نے یہ عہدہ دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ اس شرط پر قبول کیا کہ "نہ تو وہ [بھٹو] اور نہ ہی ان کی کابینہ کا کوئی فرد ان کے معاملات میں دخل اندازی کرے گا"۔ اس سے قطع نظر کہ دونوں ایک دوسرے کے کتنے قریب تھے لیکن محض چار ماہ بعد ہی، صدر ذوالفقار علی بھٹو نے انیتس سینئیر افسران کو معطل کرنے کے ساتھ ساتھ کمانڈر ان چیف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کی جگہ جنرل ٹکا خان کی بطور کمانڈر ان

چیف تعیناتی کی منظوری دے دی۔ جنرل گل حسن کو ہٹائے جانے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان پر الزام تھا کہ وہ صدر ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے بنائے گئے حمودالرحمان کمیشن کی سماعت اور دیگر معاملات میں رخنہ ڈال رہے ہیں اور بعد میں ان کے مشرقی پاکستان میں کردار کی وجہ سے ہی انہیں عہدے سے فارغ کیا گیا۔ جنرل گل حسن کو انیس سو بہتر میں عہدے سے ہٹائے جانے کے بعد کمانڈر ان چیف کا عہدہ ختم کر دیا اور ان کے جگہ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر جنرل ٹکا خان کو تین مارچ انیس سو بہتر کو ترقی دی گئی حالانکہ وہ جنرل گل حسن سے سینئیر تھے مگر انہوں نے فوج سے ریٹائرمنٹ کے بجائے نوکری جاری رکھی۔ جنرل ٹکا خان پاکستانی تاریخ کے وہ واحد سربراہ ہیں جنہیں کسی کو سپرسیڈ کر کے نہیں بلکہ سنیارٹی لسٹ میں پہلے نمبر پر ہونے کی وجہ سے بری فوج کا سربراہ تعینات کیا گیا لیکن یہاں یہ بتانا انتہائی اہم ہے کہ جنرل ٹکا خان کا مشرقی پاکستان میں کیئے جانے والے آپریشن میں کردار پر آج دن تک انگلیاں اُٹھتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کو کمانڈر ان چیف اور جنرل ٹکا خان کو چیف آف آرمی اسٹاف تعینات کیئے جانے کے پیچھے یہی سوچ تھی کہ یہ دونوں افسران مشرقی پاکستان آپریشن کی وجہ سے سول قیادت کے دباو میں رہیں گے اور کسی قسم کا سوال نہیں پوچھ سکیں گے۔ حسن عباس اپنی کتاب Pakistan's Drift into Extremism: Allah, the Army, and America's War on Terror میں لکھتے ہیں کہ "حالانکہ جنرل ٹکا خان کے بارے میں ملٹری سرکلز اس بات پر متفق تھے کہ پروفیشنلی اپنے قابل نہیں ہیں کہ کوئی اسائنمنٹ پوری کر سکیں" لیکن ذوالفقار علی بھٹو سے وفاداری کی وجہ سے انہیں چیف آف آرمی اسٹاف کا عہدہ دیا گیا۔

فروری انیس سو چھہتر میں جب جنرل ٹکا خان کی ریٹائرمنٹ کا وقت آیا تو کیونکہ انیس سو تہتر کا آئین نافذ العمل تھا جس میں یہ افواج پاکستان کے سربراہان کی تعیناتی صدر سے لے کر وزیر اعظم کو دے دی گئی تھی اور صدر سے اختیار لے لیا گیا تو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جی ایچ کیو سے وزارت دفاع کے ذریعے سمری منگوائی تو جنرل ٹکا خان نے آٹھ لیفٹیننٹ جنرلز کے نام فور اسٹار پروموشن کے لئے بھیجے۔ یہاں دو رائے سامنے آتی ہیں پہلی یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل ٹکا خان سے اگلے آرمی چیف کے لئے اپنی چوائس کا پوچھا تھا جس پر انہیں لیفٹیننٹ جنرل ضیاالحق کا نام پروپوز کیا گیا جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا بلکہ ذوالفقار علی بھٹو نے لیفٹیننٹ جنرل ضیاالحق کو سپہ سالار بنانے کا فیصلہ اسی وقت کر لیا جب دورہ ملتان کے دوران، جنرل ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کرنے کے لئے تقریبا تین گھنٹے انتظار کیا اور جب ان سے پوچھا گیا تو جنرل ضیا نے کہا "آپ کی سیکورٹی کی نگرانی کرنا میری ذمہ داری ہے" اور جب ذوالفقار علی بھٹو ملتان سے واپسی کا سفر شروع کیا تو انہوں نے نواب صادق قریشی [شاہ محمود قریشی] کے والد اور اپنی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو کی مخالفت کے باوجود کہا "مجھے میرا نیا "آرمی چیف" مل گیا ہے" یہ بات اُس وقت کے گورنر پنجاب غلام مصطفی کھر

نے اپنی کتاب "ذوالفقار علی بھٹو کی کہانی" میں لکھی۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے یکم مارچ انیس سو چھہتر کو لیفٹیننٹ جنرل محمد ضیا الحق کو آٹھ لیفٹیننٹ جنرلز، محمد شریف، اکبر خان، آفتاب احمد، عظمت بخش اعوان، ابراہیم اکرم، عبدالمجید ملک، اور غلام جیلانی خان پر ترجیح دے کر چیف آف آرمی اسٹاف تعینات کر دیا حالانکہ جنرل ٹکا خان کے مطابق، جنرل ضیا الحق "dull" تھے اور انہوں نے بطور آرمی چیف لیفٹیننٹ جنرل محمد اکبر خان کا نام تجویز کیا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل محمد اکبر خان کیونکہ ڈی جی آئی ایس آئی خدمات سر انجام دے چکے تھے تو ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے پرسنل سیکریٹری افضل سعید خان کا ماننا تھا کہ یہ سیاسی معاملات کو سمجھنے کی وجہ سے خطرہ بن سکتے ہیں۔ حسین حقانی کے مطابق، جنرل ضیا الحق چونکہ آرائیں تھے تو ذوالفقار علی بھٹو کا خیال تھا کہ ایک آرائیں افسر کبھی بھی راجپوت اور پشتون افسران کے ساتھ مل کر ان کی حکومت کا دھڑم تختہ نہیں کرے گا۔ مگر ہوا اس کے بالکل مخالف، جنرل ضیا الحق نے نہ صرف مارشل لا لگایا بلکہ انہوں نے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لا کر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کے پھندے پر چڑھا دیا اور اس کے لئے انہوں نے عسکری کے ساتھ ساتھ سیاسی قیادت کو بھی اپنے زیر اثر رکھا۔

یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ جنرل ضیا الحق کی تعیناتی کے وقت سینیئر ترین فوجی افسر جنرل محمد شریف جنہیں چیئر مین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی بنایا گیا انہوں نے ضیا الحق کے مارشل لا کو آئین کے خلاف سمجھتے ہوئے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ جنرل ضیا الحق تعیناتی کے وقت سب سے جونیئر تھے تو جیسے ہی انہوں نے مارشل لا لگایا تو اپنے عہدے پر مضبوط گرفت کے لئے پہلی بار، وائس چیف آف آرمی اسٹاف کا عہدہ متعارف کروایا اور جنرل سرور خان، جنرل اقبال، جنرل کے ایم عارف اور جنرل مرزا اسلم بیگ کو بتدریج وائس چیف بنایا۔ جنرل ضیا الحق کی ہوائی جہاز حادثے میں ہلاکت کے بعد اس وقت کے سینیئر ترین جنرل مرزا اسلم بیگ کو آرمی چیف تعینات کر دیا گیا ان کی تعیناتی اس وقت کے صدر اسحاق خان نے کی۔

جنرل اسلم بیگ کی مدت 1991 میں مکمل ہوئی تو ان کی کوششوں کے باوجود انہیں توسیع نہیں دی گئی کیونکہ اس وقت کے صدر اسحاق خان اور بے نظیر بھٹو کے درمیان حالات اس حد تک کشیدہ ہو گئے تھے کہ اس کا فائدہ نواز شریف نے اٹھایا۔ لیفٹیننٹ جنرل شمیم عالم خان کو چیئر مین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی بنایا گیا اور سنیارٹی لسٹ میں دوسرے نمبر

موجودہ لیفٹیننٹ جنرل آصف نواز جنجوعہ کو آرمی چیف تعینات کر دیا گیا۔ جنرل آصف نواز کی ناگہانی موت کے بعد لیفٹیننٹ جنرل عبدالوحید کاکڑ کو چار جرنیلوں پر فوقیت دے کر صدر اسحاق خان نے آرمی چیف تعینات کر دیا، لیفٹیننٹ جنرل کاکڑ چار لیفٹیننٹ جنرل رحم دل بھٹی، محمد اشرف، فرخ خان اور عارف بنگش سے جونئیر افسر تھے یعنی لسٹ میں پانچویں نمبر پر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ صدر اسحاق خان نے نواز شریف کو بتائے بغیر آرمی چیف تعینات کر دیا تھا، کیونکہ آٹھویں ترمیم کے بعد فوجی سربراہ کی تعیناتی کا اختیار صدر پاکستان کے پاس چلا گیا تھا۔ حسن عسکری نے اپنی کتاب میں لکھا کہ "اسحاق خان جنرل اشرف سے نواز شریف کے رابطوں سے آگاہ تھے، کیونکہ جنرل اشرف کور کمانڈر لاہور تھے اور نواز شریف کے قریب تھے، لہذا انہوں نے اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے نسبتاً غیر معروف عبدالوحید کاکڑ کو اس عہدے پر تعینات کر دیا"۔ پھر انہیں جنرل کاکڑ نے صدر اسحاق خان اور نواز شریف جو کہ انہیں آرمی چیف لگانے کے حامی نہیں تھے دونوں کو سیاسی کشیدگی کے بعد عہدوں سے الگ ہونے کے لئے مجبور کیا۔

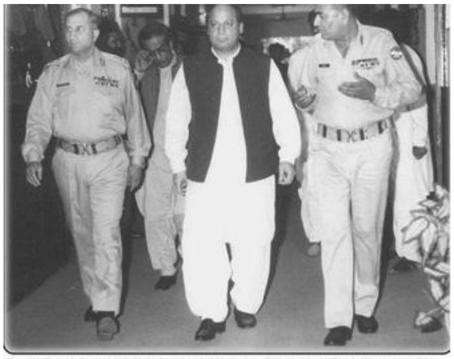

Nawaz Sharif along with Chief of Army Staff Gen. Asif Nawaz and Corps Commander Lt. Naseer Akhter visiting core head quarters to get briefing on 19th June 1992 operation preparations.

جنرل کاکڑ کی ریٹائرمنٹ کے وقت انہیں توسیع کی پیشکش کی گئی مگر انہوں نے بارہ جنوری انیس سو چھیانوے کو عہدے سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ لیفٹیننٹ جنرل جہانگیر کرامت کیونکہ سینیئر ترین جنرل تھے تو انہیں آرمی چیف تعینات کر دیا گیا مگر پندرویں آئینی ترمیم پاس نہ ہونے، جوہری دھماکے کے حکم اور قومی سلامتی کونسل کی تشکیل اور اس کے اجزائے ترکیبی پر وزیراعظم نواز شریف سے کھٹ پٹ چل رہی تھی اور یہی وجوہات تھیں جو "جمہوریت نواز اور سول قیادت کے حامی" جنرل جہانگیر کرامت کے استعفی کا باعث بنے۔ جنرل جہانگیر کرامت نے عباس ناصر اور شفیع نقی جامعی کو ایک انٹرویو میں پوچھے گئے سوال "نیشنل سیکورٹی کونسل کے بارے میں جو رائے تھی، وہ آپ کی انفرادی تھی یا آپ کے ادارے کی رائے تھی" کے جواب میں جنرل کرامت نے کہا تھا "آرمی چیف جب بھی بولتا ہے، وہ اس اکیلے کی رائے نہیں ہوتی"۔

جہانگیر کرامت کے بعد، سنیارٹی لسٹ میں تیسرے نمبر پر موجود لفٹیننٹ جنرل پرویز مشرف جو کہ منگلا کور کے کمانڈر تھے انہیں آرمی چیف تعینات کر دیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف کی تعیناتی کے حوالے سے بہت سے قصے مشہور ہیں مگر اہم بات یہ ہے کہ لفٹیننٹ جنرل پرویز مشرف وہ واحد آرمی چیف تھے جن کی تعیناتی کے لئے نہ ہی کوئی سمری جی ایچ کیو سے بھیجی گئی اور نہ ہی باضابطہ چینج آف

کمان کی تقریب ہوئی۔ یہاں دلچسپ معلومات یہ بھی ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو اپنی تعیناتی کی خبر قبل از وقت بریگیڈیئر اعجاز شاہ کی جانب سے دے دی گئی تھی۔ لفٹیننٹ جنرل پرویز مشرف کو دو لفٹیننٹ جنرلز علی قلی خان اور خالد نواز خان پر ترجیح دیتے ہوئے چیف آف آرمی اسٹاف تعینات کیا گیا، پرویز مشرف اور ضیا الحق کی بطور آرمی چیف تعیناتی میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو اور نواز شریف دونوں یہ سمجھتے تھے کہ یہ مارشل لا نہیں لگائیں گے۔ جنرل پرویز مشرف نے جنرل ضیا الحق کی طرح کیونکہ مارشل لا لگایا تھا تو انہوں نے بھی اپنے اقتدار پر کمزور ہوتی گرفت کو برقرار رکھنے کے لئے تین جرنیلوں کو وائس چیف آف آرمی اسٹاف کے طور پر تعینات کیا پہلے جنرل یوسف خان، جنرل سلیم حیات اور جنرل اشفاق پرویز کیانی کو بتدریج اپنا جانشین چنتے رہے اور جیسے ہی ان کی مدت ملازمت پوری ہوتی کسی اور تعنیات کر دیا جاتا۔ لفٹیننٹ جنرل خالد قدوائی اس وقت موسٹ سینیئر جنرل تھے لیکن کیونکہ وہ ایس پی ڈی میں مدت ملازمت میں توسیع لے چکے تھے اس وجہ سے زیادہ تنازع نہیں بنا اور چونکہ جنرل کیانی بطور وائس چیف کام کر رہے تھے تو جنرل پرویز مشرف کی جانب سے جس وقت اٹھائیس نومبر دو ہزار سات کو فوج کی کمان چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو جنرل کیانی از خود چیف آف آرمی اسٹاف بن گئے۔

جنرل کیانی ملکی تاریخ کے وہ پہلے آرمی چیف تھے جنہوں نے مدت ملازمت میں توسیع لی، خورشید شاہ نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ مدت ملازمت میں توسیع کا فیصلہ ہمارا نہیں بلکہ یہ جنرل اشفاق پرویز کیانی کی خواہش پر کیا گیا۔ جنرل کیانی کے بعد ایک بار پھر آرمی

چیف کی تعیناتی کا فیصلہ نواز شریف کو کرنا تھا تو نواز شریف نے وہی غلطی دہرائی جو وہ ماضی میں دہرا چکے تھے انہوں نے تیسرے نمبر پر موجود لیفٹیننٹ جنرل راحیل شریف کو آرمی چیف تعینات کر دیا، اس وقت کے سینیئر ترین افسر لیفٹیننٹ جنرل راشد محمود کو آرمی چیف نہیں تعینات کیا حالانکہ اس وقت بھی جنرل راحیل کے بجائے جنرل ہارون کا نام ریکمنڈ کیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ "جنرل ہارون نے عہدے پر ترقی کے لئے لابنگ کی تھی"۔ ساتھ ہی جنرل راحیل کیونکہ جنرل عبدالقادر بلوچ کے اسٹاف افسر رہے تھے تو انہیں تعینات کیا گیا۔

جنرل کیانی کی طرح جنرل راحیل شریف نے بھی مدت ملازمت میں توسیع کی خواہش کی اور اگر آپ کو یاد ہو تو اگست اور ستمبر دو ہزار سولہ میں مدت ملازمت میں توسیع کے حق میں بینرز اور پلے کارڈز آویزاں کیئے گئے اور ان پر لکھا ہوا تھا کہ "جانے کی باتیں جانے دو" مگر ان کی خواہش کو پس پشت ڈالتے ہوئے نواز شریف نے دو ہزار سولہ میں لیفٹیننٹ جنرل جاوید رمدے اور لیفٹیننٹ جنرل زبیر حیات کے بجائے لسٹ میں ساتویں نمبر پر موجود لیفٹیننٹ جنرل قمر جاوید باجوہ کو آرمی چیف تعینات کر دیا حالانکہ جی ایچ کیو کی جانب سے جنرل اشفاق ندیم کو ریکمنڈ کیا گیا تھا۔ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ 2016 کی سنیارٹی لسٹ میں جنرل باجوہ چوتھے نمبر پر تھے لیکن ایسا نہیں ہے۔ سینیئر ترین جنرل مقصود احمد ایکسٹینشن پر تھے، جنرل زبیر حیات، جنرل واجد (کور کمانڈ نہیں کی تھی)، جنرل نجیب (انجینئر نگ کور)، جنرل اشفاق ندیم، جنرل جاوید اقبال رمدے اور پھر جنرل قمر باجوہ۔ جنرل باجوہ پاکستانی تاریخ کے وہ واحد چیف آف آرمی اسٹاف ہیں جنہیں تعینات میاں نواز شریف نے کیا، توسیع عمران خان نے دی اور اب انکا جانشین میاں نواز شریف کے بھائی میاں شہباز

شریف تعینات کریں گے۔اس وقت آرمی چیف ہیں جو ایک بار مدت ملازمت میں توسیع لے چکے ہیں، جنرل باجوہ اور جنرل کیانی پاک فوج کے وہ دو آرمی چیفس ہیں جن کی مدت ملازمت میں توسیع جمہوری حکومت کی جانب سے کی گئی۔

آرمی چیف تعیناتیوں کے لئے معیار کیا ہے؟

بے نظیر بھٹو نے جن دو آرمی چیفس کو تعینات کیا وہ دونوں اس وقت سینیارٹی لسٹ میں پہلے نمبر پر تھے۔ذوالفقار علی بھٹو کی طرح نواز شریف نے بھی جونئیر افسر کو لگایا اور اس کی وجہ بھی وفاداری کو قرار دیا جاتا ہے۔ معروف صحافی اے آر صدیقی اپنے آرٹیکل Army's top slot: the seniority factor میں لکھتے ہیں کہ میجر سے اوپر کے تمام رینکس کے لئے صرف سنیارٹی کے علاوہ بہت سے دیگر عوامل کو دیکھا جاتا ہے جس میں پیشہ ورانہ قابلیت، ذاتی کردار، وفاداری، کام کا رویہ، پاس کیے گئے کورسز کی تعداد اور سب سے بڑھ کر اعلی افسران کی تیار کردہ سالانہ خفیہ رپورٹس یعنی اے سی آر میں حاصل کردہ گریڈز شامل ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چیف آف آرمی اسٹاف کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے سب سے اہم عنصر کسی کور کی کمان کرنا اہم ترین ہے۔ کسی بھی لیفٹیننٹ جنرل کے لئے ایک اہم فیکٹر یہ بھی کہ کسی بھی تنازع کا شکار نہ رہی ہو، یعنی تنازعات سے پاک شخصیت۔ اگر ہم ماضی کو دیکھیں تو بطور آرمی چیف گمنام شخصیت کو زیادہ ترجیح دی جاتی رہی ہے، اسی طرح سول حکومت یہ کوشش ہوتی ہے یا پھر جو لوگ وزیر اعظم کو مشورے دینے والے ہوتے ہیں ان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ایسا بندہ آرمی چیف کی کرسی پر براجمان ہو جو سول سپریمیسی اور چین آف کمانڈ کا احترام کرے۔ جنرل پرویز مشرف کی تعیناتی اور اس کے بعد مارشل لا کی صورت میں نتیجہ سامنے آنے کے بعد میاں نواز شریف کو دو مواقع ملے اور دونوں موقع پر نواز شریف کو یہ یقین دہانی کروائی گئی کہ مارشل لا یا ماورائے آئین کوئی ایسا اقدام

نہیں کیا جائے گا جس سے جمہوریت کو خطرہ ہو۔ نواز شریف نے ایک انٹرویو میں یہ کہا بھی تھا کہ "پرویز مشریف کی تعیناتی جلد بازی میں ہوئی اور مجھے غلط مشورہ دیا گیا تھا"۔

اگر ہم ملک میں جمہوریت کے موجودہ تسلسل کو دیکھیں تو فوج کے سیاست میں کردار کے خاتمے کے حوالے سے جنرل اشفاق پرویز کیانی، جنرل راحیل شریف اور جنرل قمر جاوید باجوہ نے اہم کردار ادا کیا ہے اور براہ راست سیاست میں مداخلت کے ایسے کوئی شواہد نہیں ملے جس سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہو کہ فوجی سربراہ نے جمہوریت کو کمزور کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔

نئے آرمی چیف کی تعیناتی سیاسی بحران کا خاتمہ کر پائے گی؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک فوج ملکی سیاست میں ایک اہم اسٹیک ہولڈر رہے، چاہے وہ امریکہ، سعودی عرب، چین اور دیگر ممالک سے ہمارے تعلقات ہوں یا پھر ہندوستان سے کشمیر اور دیگر معاملات پر کشیدگی کے حوالے سے پالیسی ایشوز۔ ہم نے ماضی میں دیکھا کہ جب پرویز مشرف کی اقتدار سے بے دخلی ہوئی تو اس وقت ججز کی بحالی کے حوالے سے میاں نواز شریف نے لاہور سے لانگ مارچ کا آغاز کیا تو سیاسی درجہ حرارت میں کمی لانے اور تنازع کا حل نکالنے میں اس وقت کے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے اہم کردار ادا کیا اور امریکی اثر ورسوخ کے حوالے سے بات کی جاتی ہے۔ اُس وقت سعودی عرب کا کردار بھی بہت اہمیت اختیار کر گیا جب جنرل پرویز مشرف سے ڈیل کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی کی راہ ہموار ہوئی تو سعودی عرب نے جنرل پرویز مشرف جو اس وقت آرمی چیف تھے ان پر دباؤ ڈالا کہ اگر بے نظیر بھٹو کو ملک واپسی کی اجازت ہو گی تو میاں نواز شریف کی واپسی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔

پاکستان میں گریڈ بائیس کے متعدد افسران خدمات سرانجام دیتے ہیں مگر افواج پاکستان بلخصوص بری فوج کے سربراہ کی تعیناتی پر تنازع گزشتہ کچھ عرصے سے شروع ہوا ہے بلخصوص سابق وزیر اعظم عمران خان پر اپنی مرضی کے لیفٹیننٹ جنرل کو آرمی چیف لگانے کو اپوزیشن ایک سازش سے تعبیر کرتی آئی ہے۔ یہ تنازع ایک ایسے وقت میں شروع ہوا ہے جب ماضی کے برعکس پاکستان میں سوشل میڈیا اور عوام میں آگاہی کافی زیادہ ہے اور سیاسی قائدین کی جانب سے سیاسی درجہ حرارت کو اس حد تک بڑھا دیا گیا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ڈی جی آئی ایس آئی کو براہ راست پریس کانفرنس میں خود اور ادارے پر لگے الزامات کو مسترد کرنا پڑا۔

اگر ہم ماضی کو دیکھیں تو بے نظیر بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے اقتدار کے خاتمے کو انٹیلی جنس ایجنسیوں کی سازش سے تعبیر کیا تھااور بعدازاں یہ بات ثابت بھی ہوئی کہ سیاست دانوں میں پیسے تقسیم کیئے گئے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت پاکستان فوج تاریخ کے بدترین کراسیس سے گزر رہی ہے تو غلط نہیں ہو گا کیونکہ مریم نواز ایک کور کمانڈر کا نام لے کر کہہ چکی ہیں کہ وہ سیاست میں مداخلت کرتے ہین اور عمران خان انہیں آرمی چیف تعینات کروانا چاہتے ہیں جبکہ ایک خاص کور کمانڈ کے بارے میں یہ افواہیں ہیں کہ وہ آصف علی زرداری کے بہت قریب ہیں کیونکہ وہ ان کے ساتھ کام کر چکے ہیں اور ایک لیفٹیننٹ جنرل ایسے ہیں جنہیں عمران خان اس وجہ سے آرمی چیف نہیں دیکھنا چاہتے کیونکہ انہوں عمران خان نے عہدے سے ہٹوایا تھا۔ ساتھ ہی عمران خان کی جانب سے آئی ایس آئی کے افسران میجر جنرل فیصل نصیر اور بریگیڈیئر فہیم رضا پر الزام نے معاملے کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔

حکومت میں موجود جماعتوں کا ماننا ہے کہ دو ہزار انیس میں جنرل قمر جاوید باجوہ کو جس وقت مدت ملازمت میں توسیع دی گئی تو کیا انہوں نے ہم سے پوچھ کر دی تھی، اور پھر جس وقت ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کامیاب ہوئی اور عمران خان نے عسکری قیادت کو "میر جعفر اور میر صادق" کہہ کر پکارنا شروع کیا تو اس موقع پر بھی عمران خان کے فوج کے ساتھ تعلقات کو گہری زک پہنچی تھی حالانکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ دوست ممالک سے حالات میں خرابی کی وجہ عمران خان جبکہ ان کو ٹھیک کرنے میں اقدامات آرمی چیف کی جانب سے اٹھائے گئے۔

آرمی چیف کی دوڑ میں کس کا پلڑا بھاری

پاکستان کی تاریخ میں سولہ میں سے صرف چار آرمی چیف سینیئر ترین جنرلز تھے جن میں جنرل ٹکا خان، جنرل مرزا اسلم بیگ، جنرل جہانگیر کرامت اور جنرل اشفاق پرویز کیانی سنیارٹی فہرست میں پہلے نمبر تھے۔ اگر اس وقت پاکستان میں کوئی چیز سب سے زیادہ زیر بحث ہے تو وہ نئے آرمی چیف کی تعیناتی اور جنرل قمر جاوید باجوہ کی ریٹائرمنٹ ہے کیونکہ گزشتہ ایک سال کے دوران حالات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں کوئی کسی پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔ پی ڈی ایم اور پیپلز پارٹی پر مشتمل حکومت چاہتی ہے کہ ایک ایسا آرمی چیف تعینات کیا جائے جو ان کی مرضی کا ہونے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں ان کے لئے کوئی خطرہ نہ بنے جبکہ عمران خان کی کوشش یہ ہے کہ ایسا آرمی چیف نہی ہونا چاہیے جسے وزیر اعظم شہباز شریف تعینات کریں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ان کا سیاسی مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

موجودہ صورت حال اس وجہ سے بھی منفرد ہے کہ ماضی میں آرمی چیف کو مدت ملازمت میں ایک بار تو سول حکومت کی طرف سے توسیع تو دی گئی مگر دوسری بار نہیں لیکن موجودہ وزیر اعظم شہباز شریف اپنے بھائی میاں نواز شریف کی جانب سے تعینات کیئے گئے

پانچ آرمی چیف کی تعیناتی کے وقت کسی نہ کسی لیول پر مشاورت کا حصہ ضرور رہے ہیں اور اس بار نواز شریف سزا یافتہ ہیں تو عمران خان نواز شریف سے کی گئی مشاورت پر سیاست کر رہے ہیں جو کہ ان کا حق ہے لیکن کیا شہباز شریف سے یہ حق لے لیا جائے یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔

اگر رولز آف بزنس کو دیکھا جائے تو دو پوزیشنز خالی ہونے پر پانچ یا چھ ناموں کی لسٹ وزیر اعظم کو وزارت دفاع کی جانب سے پیش کی جاتی ہے جس میں سے وہ چیف آف آرمی اسٹاف اور چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی کا انتخاب کرتے ہیں۔ نومبر کے آخری ہفتے میں دو فور اسٹار جنرلز ریٹائر ہو رہے ہیں جن میں پہلے ستائیس نومبر کو چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی جنرل ندیم رضا کو ریٹائر ہوں گے اور انیتس نومبر کو چیف آف آرمی اسٹاف جنرل قمر جاوید باجوہ کی مدت ملازمت مکمل ہو گی کیونکہ چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا عہدہ ایک رسمی عہدہ ہے اس وجہ سے تمام نظریں چیف آف آرمی اسٹاف کی طرف ہیں کہ کون بنے گا چیف آف آرمی اسٹاف۔ سادہ الفاظ میں کہیں تو جو بھی افسران دونوں عہدوں کے لئے معیار پر پورا اتریں ان پر لازم ہے کہ جس وقت یہ عہدے خالی ہوں تو وہ سروس میں موجود ہوں تب ہی ان کا نام وزیر اعظم کے سامنے پیش کی گئی لسٹ میں شامل ہو گا۔ اگر ٹیکنیکلی دیکھا جائے تو لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر صرف چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی ہی تعینات ہو سکتے ہیں اور انہیں فور اسٹار جنرل پر ترقی دے کر جوائنٹ چیف بنا دیا جائے کیونکہ ستائیس نومبر کو ریٹائر ہو جائیں گے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں پر عمران خان اور پی ڈی ایم کی حکومت سیاست کر رہے ہیں، لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر کیونکہ عمران خان کے ساتھ ایک ماضی رکھتے ہیں اور دونوں کے درمیان تعلقات کی خرابی تک ہوئی جب عمران خان نے جنرل عاصم منیر کی جگہ جنرل فیض حمید کو بطور ڈی جی آئی ایس آئی تعینات کروایا اس صورت حال میں حکومت کے لئے بہترین چوائس لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر ہیں کہ انہیں آرمی چیف بنا دیا جائے اور اب جبکہ ان کا نام موسٹ سینیئر کے طور پر سب کے سامنے ہے تو عمران خان نے ان کے حوالے سے دو بڑے اعتراض اٹھائے ہیں پہلا یہ کہ حکومت کسی ایسے بندے کو آرمی چیف لگانا چاہتی ہے جو ان کے مفادات کی حفاظت کرے اس وجہ سے ایسا بندہ قابل قبول نہیں جبکہ دوسری وجہ وہ یہ مانتے ہیں کہ بندہ میرٹ پر تعینات ہونا چاہیے ناں کہ پسند پر۔

اب یہاں مسئلہ یہ ہے کہ آرمی چیف کی تعیناتی آئین کے تحت وزیر اعظم کا حق ہے، آئین وزیر اعظم کو اختیار دیتا ہے کہ وزارت دفاع سے آنے والے ناموں میں سے کسی ایک کو آرمی چیف تعینات کر دیا جائے جبکہ اگر لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر کا نام بطور آرمی چیف

فائنل ہو جاتا ہے تو اس سے سیاسی تقسیم مزید گہری ہو جائے گی۔ جہاں تک لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید کا تعلق ہے کہ موجودہ حکومت کے اہم عہدے دار یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا نام آرمی چیف کے لئے زیر غور ہی نہیں لایا جائے گا۔

اب اگر ہم موجودہ پانچ سینیر ترین لیفٹیننٹ جنرلز پر نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ کس کے آرمی چیف بننے کے کتنے چانسز ہیں تو وہ کچھ یوں ہو گا، کیونکہ سابق کور کمانڈر ملتان لیفٹیننٹ جنرل وسیم اشرف بھٹی ریٹائر ہو چکے ہیں تو سنیارٹی لسٹ کے مطابق، لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر پہلے، لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد مرزا دوسرے، لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس، تیسرے، لیفٹیننٹ جنرل نعمان محمود چوتھے، لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید پانچویں اور لیفٹیننٹ جنرل محمد عامر آخری یعنی چھٹے نمبر پر ہیں۔ اگر اسی لسٹ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو چوائسز کچھ یوں بنتی ہیں:

1. لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر [چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی] اور لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد مرزا [چیف آف آرمی اسٹاف]
2. لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر [چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی] اور لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس [چیف آف آرمی اسٹاف]
3. لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد [چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی] اور لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس [چیف آف آرمی اسٹاف]
4. لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد [چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی] یا لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس اور لیفٹیننٹ جنرل نعمان محمود [چیف آف آرمی اسٹاف]
5. لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد [چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی] یا لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس اور لیفٹیننٹ جنرل عامر محمود [چیف آف آرمی اسٹاف]

آئندہ ایک دو دن بہت اہم ہیں کیونکہ سمری وزیر اعظم ہاوس پہنچنے اور زیر غور لائے جانے اور تعیناتی کے فیصلے تک وقت بہت کم بچا ہے، لیفٹیننٹ جنرل عاصم منیر کے چانسز ہیں مگر وہ اسی صورت ہیں کہ چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی کی ریٹائرمنٹ سے قبل ہی وزیر اعظم سمری پر دستخط کر دیں۔ آرمی چیف جو بھی بنیں لیکن ایک بات بہت واضع ہے کہ جو بھی فوج کی کمان سنبھالے گا اس کے لئے موجودہ کشیدگی میں کمی لانا کسی چیلنج سے کم نہیں ہو گا، ماضی کے برخلاف کہ جب آرمی چیف کم از کم چھ ماہ اپنی کمان کو مضبوط کرنے میں لگاتا تھا اور اپنی مرضی اور سوچ سے ہم اہنگ کور کمانڈرز تعینات کرتا تھا وہ وقت آنے والے آرمی چیف کے پاس نہیں ہو گا۔

اسی طرح، آرمی چیف کو موجودہ آرمی چیف کی پالیسیوں میں کچھ نہ کچھ ردوبدل لازمی لانا ہوگا اسے باجوہ ڈاکٹرائن سے اپنے آپ کو دور کرنا ہوگا ساتھ ہی یہ بھی حکومت اور عمران خان دونوں کوشش کریں گے کہ وہ اپنا وزن ان کے پلڑے میں ڈالے۔ آرمی چیف پر صاف اور شفاف نئے الیکشن کے لئے عمران خان نہ صرف دباو ڈالیں گے جس کی ابتدا ابھی سے انہوں نے کر دی ہے ساتھ ہی، A-Political ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا تاثر دینے سے گریز کرنا ہوگا جس سے یہ لگے کہ کوئی ایک سیاسی جماعت ان کے اعتاب کا شکار ہے۔ اگر موجودہ صورت حال برقرار رہتی ہے اور کشیدگی میں مزید اضافہ ہوتا ہے تو آنے والے دس دن بہت اہم ہوں گے۔

لکھاری ہم نیوز کے ساتھ منسلک ہیں اور کرنٹ افیئرز پروگرام "(ہم مہر بخاری کے ساتھ) "میں بطور پروڈیوسر اور ریسرچر خدمات سرانجام دے رہے ہیں،